اسلام کا تصور ترقی☆

لوئس کینٹوری

اسلام کا ترقی پسندانہ انداز اس تصور سے مختلف ہے جو مغربی پریس اور امریکی پالیسی ساز حلقے پیش کرتے ہیں۔ مغرب میں عمومی طور پر یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ اسلامی دنیا طبعی طور پر جدیدیت کو اپنانے اور معاشی طور پر ترقی کرنے سے قاصر ہے، اور ترکی، ملائشیا اور انڈونیشیا وغیرہ کی معاشی ترقیوں کو بھلا دیا جاتا ہے۔ اسلام نے ایک منفرد ترقیاتی اسلوب دیا ہے جس میں اخلاقی اور مذہبی اقدار کو معاشی ترقی کے ساتھ ہم آہنگ کیا گیا ہے۔ اگرچہ مشرق اوسط کی ریاستیں معاشی ترقی میں انڈونیشیا اور ملائشیا کے مقابلے میں کمزور ہیں، لیکن اسلام کے ابھرتے ہوئے کردار کے نتیجے میں ممکن ہے کہ نئی قیادت سامنے آئے جو کہ معاشی ترقی کو مہمیز دے۔

سیاسی دوری

اسلام کے ساتھ مغرب کے تعلقات آٹھویں صدی سے گیارہویں اور بارہویں صدی تک جاری رہنے والی صلیبی جنگوں ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ کی فتح اور ۱۵۶۶ء میں ویانا کے محاصرے کے نتیجے میں سیاسی سرد مہری کا شکار ہو گئے۔ اس سرد مہری کے پیچھے مذہبی اختلافات بھی کارفرما تھے۔ اسلام نہ صرف عیسائیوں اور یہودیوں کے انبیاء کو تسلیم کرتا تھا بلکہ ان کے توحید پرست پیروکاروں کو بھی درست مانتا تھا جبکہ عیسائیت کے لیے اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرنا دشوار تھا۔ اس مذہبی اختلاف نے دونوں مذہبی قوتوں کی بدلتی ہوئی سیاسی قوت کے نتیجے میں مزید شدت اختیار کر لی۔

آٹھویں سے دسویں صدی تک جبکہ یورپ تنزل کا شکار تھا، اسلام سیاسی طور پر غالب تھا اور ان کی تہذیب وثقافت بے مثال تھی۔ اس کے بعد صلیبی جنگوں کے نتیجے میں ابتدائی طور پر عیسائیت کو فروغ حاصل ہوا اور پھر عثمانی ترکوں کے چودھویں اور پندرھویں صدی میں یورپ کے وسط تک پہنچنے پر منتج ہوا۔ انیسویں صدی میں یورپ کی بالادستی واضح ہو گئی اور

☆Louis Cantori, "The Islamic Approach to Development", *The World and I*, Sep. 1997, PP. 38-43 (تلخیص: پروفیسر عتیق الظفر)

۱۸۳۰ء میں الجزائر یورپی کالونی بن گیا۔ اِس نوعیت کے صدیوں پر مبنی واقعات نے عیسائی اور مسلم رویوں کو راسخ کر دیا۔

موجودہ عرب دنیا کے جدید رجحانات میں مغربی ثقافت کو اختیار کرنا، عرب قومیت کا تصور اور اب اسلامی بیداری شامل ہے۔ اِس اسلامی بیداری نے ۱۹۶۷ء میں اسرائیل کے ہاتھوں عربوں کی شکست کے بعد جنم لیا، جب اِس حزیمت کو مذہب سے دوری کا نتیجہ سمجھا گیا۔ اور ۱۹۷۳ء میں مجاہدین کی اسرائیل کے خلاف فتح نے اس جذبہ کو مزید تقویت پہنچائی۔ اسلامی احیاء کی یہ تحریک دو طرح کی ہے۔ ایک وہ جہاں موجودہ سیاسی نظام کے تحت رہتے ہوئے تبدیلی کی کوششیں ہو رہی ہیں اور بالادست سیاسی قوتوں نے بھی اس تبدیلی کے مطالبے کو تسلیم کیا ہے۔ مثال کے طور پر اردن، لبنان، شام، ترکی اور یمن وغیرہ۔ اس نوعیت کی تحریکوں نے درحقیقت جاری سیاسی نظام کو برقرار رکھا ہے۔ دوسری کوششیں وہ ہیں جہاں مکمل تبدیلی کی بات کی گئی ہے۔ اس نوعیت کی تحریکیں مصر، تیونس اور الجزائر میں برپا ہوئی ہیں لیکن بالادست قوتوں نے اِن کو سختی سے دبانے کی کوشش کی ہے، جس کے نتیجے میں اِن تحریکوں سے مختلف پر تشدد گروہوں نے جنم لیا جو کہ بین الاقوامی اخبارات کی سرخیوں میں نظر آتے رہتے ہیں۔

جدیدیت اور اسلامی احیاء

مغرب میں جدید سائنس نے سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں ترقی کی اور جس کے نتیجے میں صنعتی انقلاب برپا ہوا۔ اب جبکہ ایشیاء، یورپ، شمالی امریکہ وغیرہ میں سائنس اور ٹیکنالوجی پر کام ہو رہا ہے، سائنس اپنی ثقافتی بنیادیں مختلف تہذیبوں کے ملنے کے نتیجے میں کھو چکی ہے۔

اسلامی دنیا میں جہاں سائنس کے فوائد کو تسلیم کیا گیا ہے، وہاں یہ کوشش بھی ہو رہی ہے کہ سائنس کی بنیادوں کو مذہبی عقائد اور تعلیمات میں تلاش کیا جائے۔ یہ کوشش کرنے والوں میں پاکستان کے سید مودودی، مصر کے سید قطب، ایران کے آیت اللہ خمینی اور علی شریعتی اور سوڈان کے حسن الترابی شامل ہیں۔

ترقی اور اسلامی احیاء

مغرب کا تصور ترقی فرد کی آزادی، سیکولرازم، مساوات اور مادہ پرستی پر مبنی ہے۔ اس

تصور کے مطابق ایک ایسے معاشرے میں جہاں مذہب ذاتی معاملہ شمار ہوتا ہو، اگر افراد اپنا ذاتی منافع ممکنہ زائد حد تک حاصل کر رہے ہوں تو معاشرہ ترقی حاصل کر رہا ہوتا ہے۔

اسلام کا تصور ترقی مغرب کے مقابلے میں مختلف بنیادوں پر قائم ہے۔ بعض ملکوں میں مثلاً ملائیشیا اور انڈونیشیا میں معاشی ترقی کی بہت اونچی شرح حاصل کی گئی ہے لیکن مسلمانوں میں یہ احساس ابھر تا جارہا ہے کہ روحانی ترقی حاصل کرنا پہلی ترجیح ہونا چاہیے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی" (سورہ الرعد ۱۳: ۱۱)۔

اس تصور ترقی کے مطابق جب روحانی معاملات کو اہمیت دی جائے گی تو اللہ تعالیٰ دنیاوی ترقی سے نوازیں گے۔ یہ تصور، عقیدہ توحید، وحدانیت امت، تزکیہ اور حصول فلاح کے بنیادی تصورات پر مبنی ہے۔ ایک مسلمان فرد جب تقویٰ میں اضافہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر رحمتِ فرماتے ہیں اور ترقی سے نوازتے ہیں۔ سید قطب اس بارے میں لکھتے ہیں کہ "جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو انسان کے لیے مسخر کر دیا ہے تو انفرادی فائدے اور معاشرے کی مجموعی فلاح کے درمیان ایک توازن قائم کرنا ضروری ہے۔ معاشرے کی فلاح زکوٰۃ و صدقات کے اصولوں پر عمل کر کے حاصل ہو سکتی ہے۔ توحید کا تصور وحدت امت کا تصور پیدا کرتا ہے، ایک ایسا معاشرہ جہاں ہر فرد دوسرے کی ضروریات کا خیال رکھے۔ زمین پر اللہ تعالیٰ کے نائب (خلیفہ) ہونے کے لحاظ سے بھی تمام افراد ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ انسان معاشی عاملین پیداوار کا مالک نہیں بلکہ امین ہے۔

اس تصور ملکیت کے نتیجے میں انسان جو دولت کماتا ہے وہ اسے اپنی نہیں بلکہ اللہ کی ملکیت تصور کرتا ہے۔ اسی طرح دولت کے کمانے میں بھی عدل کے تقاضوں کو مدنظر رکھتا ہے اور کسی ظلم یا ناانصافی کا مرتکب نہیں ہوتا۔ جس کا ایک مظہر سود پر پابندی ہے۔ اسلامی نظام بنکاری بھی ان اصولوں کو پیش نظر رکھتا ہے اور اموال کو مختلف کاروباروں میں لگاتا ہے اور ان کی حقیقی منفعت میں شرکت کرتا ہے۔ غرض یہ کہ اسلام ایک ایسا سیاسی نظام تشکیل دیتا ہے جس میں:

۱ - مذہبی اور اخلاقی اہداف کا تعین کیا گیا ہو۔
۲ - ماضی کو مستقبل کی رہنمائی کے لیے استعمال کیا گیا ہو۔
۳ - افراد کو معاشرے کی ضرورت اور فلاح کے تابع کیا گیا ہو۔

اسلامی نظام میں ایک مضبوط ریاست قائم ہوتی ہے جو کہ کم از کم معاشرے میں امن

واماان کے انتظام اور ٹیکسوں کی وصولیابی کا کام سر انجام دیتی ہے۔ معاشرہ ایک باہم محبت کرنے والے خاندان کی طرح افعال سر انجام دیتا ہے۔ ریاست میں فیصلے بالائی سطح پر کیے جاتے ہیں لیکن یہ فیصلے باہمی شوریٰ کے ذریعہ ہوتے ہیں۔ اسلامی معاشرے میں اتحاد قائم رکھنے کا ایک اہم ذریعہ اجماع ہے۔ افراد کو شوریٰ کے ذریعہ خود کو دوسروں کی رائے کا احترام کرنا سکھایا گیا ہے۔ فرقہ پرستی سے باز رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اسلامی نظام میں باہمی مشاورت کا سلسلہ مسلسل جاری رہتا ہے اور اگر انتخاب کا مرحلہ درپیش ہو تو یہ لازماً ''ایک فرد ایک ووٹ'' یا کئی ایک دل لوگوں میں سے ایک کو منتخب کرنا کے اصول پر مبنی نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ امکانی طور پر ''ایک گروہ ایک اجتماعی ووٹ'' اور کسی ایک قیادت پر متفق ہونے کے اصول پر مبنی ہوگا۔ اِس لیے اسلامی شورائی جمہوریت مغربی جمہوریت سے مختلف ہوگی۔

مشرق وسطیٰ ترقی کیوں نہ کر سکا؟

عالمی بنک میں یہ سوال خصوصیت کے ساتھ پوچھا گیا کہ ''مشرق وسطی ترقی کیوں نہ کر سکا؟'' ۱۹۶۰ء میں مشرق وسطی اور مشرقی ایشیا کی فی کس آمدن تقریباً برابر تھی جب کہ اب مشرقی ایشیا میں آمدن کی سطح مشرق وسطی سے ۱۰ گنا زیادہ ہے۔ قومی آمدن میں اضافے کی ۲ء۹ فیصد کی شرح مشرق وسطی کی ۴ فیصد شرح سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ موازنہ اس لیے بھی دلچسپ بن جاتا ہے کہ یہ ایشین ٹائیگر کہلانے والے ممالک بھی مذہبی اور ثقافتی قدروں کو اہمیت دیتے ہیں اور ان میں مضبوط حکومتیں بھی قائم ہیں۔

سب سے اہم فرق اِن دونوں خطوں میں یہ ہے کہ مشرقی رہنما اپنی قدیم ثقافتی قدروں کی بنیاد پر ایک ترقی کا تصور قائم کرتے ہیں۔ یہ تصور نہ صرف باہمی تعاون اور احساس ذمہ داری کی قدروں کو اہمیت دیتا ہے بلکہ معاشی ترقی کو بھی مقصد کے طور پر سامنے رکھتا ہے اس کے علاوہ افراد کار میں قربانی کے جذبے کو اجاگر کرتا ہے۔ محنت کش افراد اپنی پیداواریت میں انتہائی درجہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بچت کی بلند سطح حاصل کرتے ہیں تاکہ ان کو ملازمت کا حصول یقینی ہو اور بنیادی ضروریات زندگی حاصل ہوتی رہیں۔

مشرق وسطی میں موجودہ اسلامی بیداری سے پہلے وہاں کی قیادتوں نے اپنی توجہ اسرائیل کے ساتھ تنازعات کی طرف مرکوز کر رکھی تھی۔ اور انہوں نے اپنی آبادی کو متحرک اور زیادہ مفید بنانے کے بجائے ان کو دبانے اور استحصال کرنے کی پالیسی اختیار کی۔ اس

کے علاوہ ان ریاستوں نے سیاسی اور معاشی اسٹیٹس کو برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ اِس کے علاوہ یہ ممالک ایک ایسی مستعد نوکر شاہی تیار کرنے میں بھی ناکام رہے جو کہ ملک کی صنعتی ترقی کے لیے منصوبہ بندی کر سکے اور بڑی صنعتوں کے ساتھ تعاون کی فضا میں کام کر سکے۔ مشرقی ایشیا کے ممالک اپنے بجٹ کا ۲۰ فیصد تعلیم پر خرچ کرتے ہیں جس کے باعث ان کے ورکر بہت جلد نئی ٹیکنالوجی پر عبور حاصل کر لیتے ہیں۔ جب کہ مشرق وسطی میں تعلیم پر اس کا نصف خرچ کیا جاتا ہے۔

اسلام کی ترقی کا مطالعہ اِس لیے اہمیت اختیار کر جاتا ہے کہ یہ تقریباً ایک بلین افراد کا مذہب ہے۔ مشرق وسطی نے اب تک ایک اوسط درجے کی ترقی کی ہے۔ ایشیائی اور مشرقِ وسطی کے ممالک میں جہاں مشابہتیں ہیں وہیں اختلاف بھی موجود ہیں۔ مشرق وسطی کے ممالک میں جس عنصر کی کمی محسوس ہوتی ہے وہ اخلاقی تصور ہے جو کہ ایشیا کی کنفیوشس اور اسلامی تہذیبوں میں ثقافتی طور پر موجود ہے۔ بہر حال ہم کہہ سکتے ہیں کہ مشرق وسطی میں اسلامی احیاء کے نتیجے میں یہ امکان موجود ہے کہ یہ ایک نئے ثقافتی اور معاشی ترقی کے دور کا آغاز ثابت ہو۔